مقبوضہ کشمیر: ۲۰۱۸ء کے خونیں دن

ایس احمد پیرزادہ○

۲۰۱۶ءاور ۲۰۱۷ء کے خونیں برسوں کے بعد ۲۰۱۸ء میں یہ اُمیدیں باندھی جارہی تھیں کہ امسال مقبوضہ کشمیر میں کشت وخون اور انسانی جانوں کے زیاں کا سلسلہ رُک جائے گا، لیکن گذشتہ برسوں کی طرح اس بار بھی پہلے ہی تین ماہ کے دوران مظلوم کشمیریوں کی تمام تر اُمیدوں، تمناؤں اور آرزوؤں پر پانی پھیر دیا گیا۔ ریاست میں موجود ۱۰لاکھ سے زائد بھارتی فوج اور نیم فوجی دستے 'آرمڈفورسز سپیشل پاور ایکٹ' کی صورت میں حاصل شدہ خصوصی قوانین کی آڑ لیے، بے تحاشا انداز میں کشمیریوں کی نوجوان نسل کا لہو بہاتے رہے اور انسانی حقوق کی ان بدترین خلاف ورزیوں کو باجواز بنانے کے لیے، ملوث ایجنسیاں ناقابل قبول بہانے گھڑتی رہیں۔ یکم جنوری ۲۰۱۸ء سے لے کر ۱۱/اپریل تک ۲۹ عام اور نہتے کشمیری نوجوانوں کو مختلف جگہوں پر گولیوں کا نشانہ بنا کر شہید کر دیا گیا۔ اس دوران ۴۸ نوجوانوں نے جام شہادت نوش کیا، جنھوں نے مجبوراً ظلم وجبر کے خلاف ہتھیار اُٹھالیے ہیں۔ ۱۲پولیس اہلکاروں اور ۱۳بھارتی فوجیوں سمیت سال کے پہلے سو دن میں ۱۰۲/انسانی جانیں تلف ہوئی ہیں۔

تازہ ترین خونیں 'سانحہ کھڈونی' کولگام میں پیش آیا، جہاں ۱۱/اپریل کو فوج کے ساتھ ایک معرکہ آرائی میں اگرچہ عسکریت پسند محاصرہ توڑ کر نکلنے میں کامیاب ہوگئے، تاہم بھارتی فوجی اہلکاروں نے مختلف جگہوں پر عام اور نہتے احتجاجی نوجوانوں پر فائرنگ کر کے چار معصوم نوجوانوں کو جاں بحق اور ۶۵ دیگر افراد کو زخمی کر دیا۔ زخمیوں میں کئی افراد کی حالت نازک ہے اور وہ مختلف ہسپتالوں

○مدیر ہفت روزہ 'مومن' سری نگر

میں زندگی اور موت کی کش مکش میں ہیں۔ کھڈونی کے اس خوں ریز معرکے میں فوج کی جانب سے گن شپ ہیلی کاپٹر استعمال کیے گئے۔ عینی شاہدین کے مطابق ہزاروں مظاہرین کو اندھا دھند انداز سے نشانہ بنایا گیا۔ اس سانحے میں جن نوجوانوں کی شہادت ہوئی، اُن میں شرجیل احمد شیخ ولد عبدالحمید شیخ ساکن کھڈونی (عمر ۲۸ سال)، بلال احمد تانترے ولد نذیر احمد تانترے ساکن کجر (عمر۱۶ سال)، فیصل الائی ولد غلام رسول الائی ساکن ملہورہ شوپیان (عمر۱۴ سال) اور اعجاز احمد پالہ ساکن تل خان بجبہاڑہ شامل ہیں۔ اہالیانِ کشمیر کی بدقسمتی کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوگا کہ ۲۸ سال کی عمر کا شرجیل احمد جنھیں اپنے گھر کے صحن میں گولی مار کر ابدی نیند سلا دیا گیا، کی صرف چار روز بعد ۱۵/اپریل کو شادی ہونے والی تھی اور اس کے والدین نے شادی کی تمام تیاریاں مکمل کر لی تھیں، دعوت نامے بھی تقسیم ہو چکے تھے۔ والدین خوشیوں کے انتظار میں دن گن رہے تھے کہ اُن کے بیٹے کو خون میں نہلا دیا گیا۔ جن والدین نے اپنے بیٹے کے دلہا بننے کے خواب سجا رکھے تھے، اُنھیں اُن کی لاش کا بناؤ سنگھار کرنا پڑا۔ ماہ جبین کو ایک طرح سے رخصتی سے قبل ہی بیوہ بنا دیا۔

۱۴ برس کے نوعمر فیصل الائی کو جب صبح سویرے فوجی محاصرے اور تصادم کی اطلاع ملی تو وہ فوراً گھر سے نکلے اور روانہ ہونے سے قبل اپنے گھر والوں سے کہا: ''آپ میری آخری رسومات کی تیاریاں کریں''۔ پھر دوپہر سے قبل ہی اُن کی لاش گھر پہنچ گئی۔ عام شہری ہلاکتوں کے حوالے سے ریاستی پولیس چیف نے مرحومین ہی کو اپنی موت کا ذمہ دار اور 'مجرم' ٹھیرایا۔

یہاں یہ واضح رہے کہ کشمیر میں جولائی ۲۰۱۶ء حزب کمانڈر برہان مظفر وانی کی شہادت کے بعد سے نوجوانوں میں ایک نیا چلن شروع ہوا ہے۔ جوں ہی کسی بھی عسکری تنظیم سے وابستہ کوئی بھی ہتھیار بند نوجوان بھارتی فوج کے محاصرے میں آجاتا ہے، تو آس پاس کے درجنوں دیہات کے لوگ، بالخصوص نوجوان 'انکاونٹر' (تصادم) والی جگہ کی طرف چل پڑتے ہیں۔ ہزاروں بھارتی فوجیوں کے محاصرے میں ایک یا دو عسکریت پسندوں کو محاصرے سے نکالنے کی کوشش کے ساتھ ساتھ، یہ اُن ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں کے ساتھ یک جہتی کا کھلم کھلا اظہار بھی ہوتا ہے۔ پوری آبادی گنتی کے مجاہدین کے لیے دیوانہ وار اپنی جان خطرے میں ڈال دیتی ہے۔ بھارتی فوجی افسران اور ادارے اس نئے رجحان سے بوکھلاہٹ کا شکار ہو چکے ہیں اور وہ علانیہ کہہ چکے ہیں کہ 'انکاونٹر' والی جگہ پر جو بھی

فوجی آپریشن میں رخنہ ڈالنے کی کوشش کرے گا، اسے گولی ماردی جائے گی۔ گویا عملاً بھارتی تربیت یافتہ ریگولر آرمی کے سامنے نہتے کشمیری سینوں پر گولیاں کھا کر اپنے حقوق کی جنگ لڑ رہے ہیں۔

یکم اپریل کو شوپیان، اسلام آباد اور گاندربل میں ۱۷ کشمیری نوجوانوں کو ابدی نیند سلا دینے کے سانحے سے ابھی اہالیانِ کشمیر سنبھل نہ پائے تھے کہ ضلع کولگام میں ایک اور مقتل گاہ سجا دی گئی۔ یکم اپریل کے ان خونیں تصادموں میں بھارتی فوج نے یاور احمد ایتو ولد عبدالمجید ایتو ساکن صف نگری، عبید شفیع ملہ ولد محمد شفیع ملہ ساکن ترنج زینہ پورہ، زبیر احمد ترے ولد بشیر احمد ساکن شوپیان خاص، نازم نذیر ڈار ولد نذیر احمد ساکن ار پورہ ناگہ بل، رئیس احمد ٹھوکر ولد علی محمد ساکن پڈر پورہ، اشفاق احمد ملک ولد غلام نبی ساکن پنجورہ، عادل احمد ٹھوکر ولد عبدالغنی ساکن ہومہونہ، غیاث الاسلام ولد بشیر احمد ساکن پڈر پورہ، اشفاق احمد ٹھوکر ولد عبدالمجید ساکن پڈر پورہ، عاقب اقبال ملک ولد محمد اقبال ساکن رنگت دمحال ہانجی پورہ، اعتماد احمد ملک ولد فیاض احمد ملک ساکن امشی پورہ، رؤف احمد کھانڈے ولد بشیر احمد کھانڈے ساکن دہرنہ ڈورو اور سمیر احمد لون ولد غلام نبی ساکن ہیلو امام، زبیر احمد بٹ ساکن گوپال پورہ کولگام، مشتاق احمد ٹھوکر ساکن درگڈ سگن، محمد اقبال ساکن خاری پورہ شوپیان اور معراج الدین ساکن اوکے کولگام اور گوہر احمد راتھر ساکن کنگن گاندربل کو تین مختلف مقامات پر ایک ہی دن میں شہید کر دیا۔ ان تمام شہدا کی عمر ۱۶ سال سے ۳۰ سال کے درمیان تھی۔

ریاست مقبوضہ جموں وکشمیر جو ایک پولیس اسٹیٹ میں تبدیل ہوچکی ہے۔ اس میں 'امن وقانون' کے نام پر کیا کیا گل کھلائے جاتے ہیں، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آئے روز کشمیر کے طول وعرض میں بالعموم اور جنوبی کشمیر میں بالخصوص کریک ڈاون، تلاشی کارروائیاں اور چھاپے مارے جاتے ہیں۔ شہر سرینگر میں جگہ جگہ ناکے اور بندشیں لگائی جاتی ہیں، نوجوانوں کی گرفتاریاں تو روز کا معمول بن چکا ہے۔ عام شہریوں کو مسلسل خوف و دہشت کے ماحول میں سانس لینے پر مجبور کیا جارہا ہے۔ شہری ہلاکتوں کے بعد بے بس عوام اپنی ناراضی کا اظہار ہڑتال اور احتجاجی مظاہرے سے کرتے ہیں۔ طلبہ وطالبات، اسکولوں اور کالجوں میں پُرامن طریقے پر جب اپنا احتجاج درج کرنے نکلتے ہیں تو پولیس اور نیم فوجی دستے اُن پر درندوں کی طرح ٹوٹ پڑتے ہیں۔ حالاں کہ پُرامن احتجاج دُنیا کا تسلیم شدہ جمہوری حق ہے۔ لیکن یہاں احتجاج کو اعلانِ جنگ

سے تعبیر کیا جاتا ہے اور احتجاجی لوگوں کو دشمن قرار دے کر اُن پر طاقت کے وہ تمام حربے اور ہتھکنڈے استعمال میں لائے جاتے ہیں جو دشمن ملک کی فوج کے خلاف استعمال کیے جاتے ہیں۔عام لوگ جن سیاست دانوں کی بات سنتے اور مانتے ہیں اُن لیڈران کی سرگرمیوں پر ۲۰۰۸ء سے مکمل طور پر قدغن عائد ہے۔

حریت کانفرنس جو حقیقی معنوں میں عوامی جذبات کی نمایندگی کرتی ہے، اس کے رہنماؤں اور کارکنوں کو یا تو جیلوں میں بند کر دیا گیا ہے، یا پھر اُنھیں اپنے گھروں تک محدود رکھا گیا ہے۔بزرگ قائد محترم سیّد علی گیلانی ۲۰۱۰ء سے اپنے گھر کے اندر قید ہیں۔اُنھیں نماز جمعہ جیسے دینی فریضہ کو ادا کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ان حالات سے نوجوان مشتعل ہو کر آخری چارۂ کار کے طور پر یا تو ہتھیار اُٹھا لیتے ہیں یا پھر ان میں سنگ باری کرنے اور انکاونٹر والی جگہوں پر جا کر فوج کے محاصروں کو توڑنے کا جنون پیدا ہو جاتا ہے۔ بھارتی ایجنسیاں نوجوانوں کے اس بڑھتے ہوئے جنون اور سنگ باری کے رجحان کے تانے بانے نہ جانے کہاں کہاں جوڑتے ہوئے، کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ یہ سب پاکستانی فنڈنگ سے ہوتا ہے اور کبھی سرحد پار کی مختلف تنظیموں کے ساتھ کشمیریوں کی جدوجہد کو جوڑا جاتا ہے۔آزادی کی سرگرمیوں میں حصہ لینے والے نوجوانوں پر کیا کیا حربے استعمال نہیں کیے گئے؟ ان پر جیلوں میں ہولناک تشدد کیا گیا۔لیکن آئے روز سنگ باری کے واقعات میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے۔کشمیری نوجوان گولیوں کی پروا نہیں کرتے اور موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کے عادی بن چکے ہیں۔

کشمیری نوجوانوں کے اس شدید رویے کی اصل وجہ یہ ہے کہ جب اُنھیں جمہوری طریقوں پر اپنے جذبات کا اظہار کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی ہے اور جب اُن کے جذبات کی نمایندگی کرنے والے سیاست دانوں کو اُن کے درمیان نہیں آنے دیا جاتا، تو پھر تنگ آمد بہ جنگ آمد کے مصداق، اپنے غم و غصے کا اظہار کرنے کے لیے یہ نوجوان دوسرے طریقے استعمال کرنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتے ہیں۔ یہ نوجوان کوئی ان پڑھ، جاہل اور گنوار نہیں ہیں، جو اکیسویں صدی کے اس دور میں مرعوبیت کا شکار ہو کر گھٹن کی زندگی قبول کرلیں گے۔ یہ وہ نسل ہے جو میڈیائی دور میں رہتی ہے، جو سوشل میڈیا کے ذریعے پوری دنیا کی نوجوان نسل سے جڑی ہوئی ہے، جنھیں اپنے حقوق اور

زندہ رہنے کا حاصل شدہ حق معلوم ہے۔ بھلا یہ کیسے بندوق کے سایے میں جینے پر راضی ہوسکتے ہیں؟ منفی اور جھوٹے پروپیگنڈوں کے ذریعے بھلے ہی کشمیریوں کی اس نئی نسل کو شدت پسند، سرحد پار سے اُکسائے اور دہشت گرد، ہی ثابت کرنے کی کیوں نہ بھونڈی کوشش کی جائے، لیکن حقیقت حال یہی ہے کہ: یہ سب ریاستی دہشت گردی کا شکار بنائے جاچکے ہیں، اِن کے لیے زمین تنگ کردی گئی ہے، اِنھیں اپنے مفادات اور بنیادی حقوق سے محروم کیا جاچکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کشمیریوں کی یہ نسلیں اس قدر جری اور نڈر بن چکی ہیں کہ یہ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتی ہیں، اور یہ نوخیز نوجوان گولیوں کا سامنا کرنے سے نہیں ڈرتے۔

یکم اپریل کو اسلام آباد کے ڈورو علاقے میں جو کم سن عسکریت پسند رؤف احمد ٹھوکر فورسز کے ساتھ جھڑپ میں شہید ہوگیا، تو دوران انکاونٹر آخری لمحات میں انھوں نے اپنے والدین کے ساتھ فون پر گفتگو کے دوران کہا: ''فوج مجھے ہتھیار ڈالنے کے لیے کہہ رہی ہے لیکن میں ہر حال میں ذلت کی زندگی پر عزت کی شہادت کو ترجیح دوں گا''۔ انھوں نے اپنے والد سے درخواست کی: ''ابا جان، میری نمازِ جنازہ کی امامت خود کرنا''۔ اُن کے والد جماعت اسلامی جموں وکشمیر کے رکن اور علاقے کے پُرخلوص داعیانِ دین میں سرفہرست ہیں۔ والدین بھی کیسے حوصلہ مند کہ اُن کی ماں اپنے بیٹے کو ہمت اور صبر کی تلقین کرتے ہوئے کہتی ہیں: ''بیٹے میرے دودھ کی لاج رکھنا، کسی بھی حال میں بھارتی فوج کے سامنے کمزور نہ پڑنا۔ آپ کی شہادت سے ہماری دنیا عزت اور اُخروی کامیابی کی ضامن بن جائے گی''۔ یوں یہ نوعمر رؤف احمد رات بھر کی لڑائی میں جام شہادت نوش کرگیا۔

ایک اور جنگجو نوجوان اعتماد احمد ملک، جو ایک ریسرچ اسکالر تھے، اور اُنھوں نے کئی اکیڈمک ایوارڈ بھی حاصل کیے تھے، انھوں نے بھی اسی روز، دوران لڑائی آخری بار اپنے والد گرامی کو فون کرتے ہوئے اپنی ثابت قدمی کی دعا کے لیے درخواست کی۔ جواب میں اُن کے والد نے اپنے اس لاڈلے بیٹے سے کہا کہ: ''بیٹا پیٹھ پھیر کر نہیں بھاگنا، کل جب میں آپ کی لاش کو دیکھوں تو مجھے گولی آپ کے سینے میں دکھنی چاہیے''۔ اسماعیلؑ کی یاد تازہ کرنے والے اس بیٹے نے اپنے والد سے کہا کہ: ''ابو! آپ اگر مجھ سے راضی ہیں تو میرا اللہ بھی مجھ سے راضی ہوگا۔ آپ اطمینان رکھیں میں ان شاء اللہ سینے پر ہی گولیاں کھاؤں گا'' اگلے دن جب ہزاروں لوگوں کے جلوس میں

اس معصوم مجاہد کی لاش کو اُن کے گھر لے جایا گیا تو والد نے سب سے پہلے اپنے لاڈلے بیٹے کا سینہ دیکھا اور تشکر سے لبریز لہجے میں بلند آواز سے کہا: 'الحمدللہ'۔ کیوں کہ اُن کے بیٹے نے لڑتے ہوئے گولیاں اپنے سینے پر ہی لی تھیں۔ اپنے مجاہد بیٹوں کے ساتھ آخری مرتبہ فون پر ہونے والی یہ یہ گفتگوئیں سوشل میڈیا پر وائرل [عام] ہوگئیں ہیں اور نوجوان ان آڈیو کلپس کو عقیدت کے ساتھ پھیلا رہے ہیں۔ اس چیز سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کشمیریوں کی نوجوان نسل جس جدوجہد میں مگن ہے، وہ اس کے لیے ذہنی اور فکری طور پر کس حد تک جذبۂ آزادی سے سرشار (motivated) ہے۔

کشمیر کے اہلِ دانش طبقے کے لیے یہ صورتِ حال کسی بھی طرح سے اطمینان بخش نہیں ہے۔ ہماری نسلیں زندگی پر موت کو ترجیح دے رہی ہیں۔ بھلا کوئی قوم کیسے یہ گوارا کرے گی کہ اُس کی باصلاحیت نوجوان نسل گاجر مولی کی طرح کٹتی رہے۔ لیکن یہ بھی دیکھنے کی ضرورت ہے کہ کیوں ہمارے یہ نونہال خطرناک راہ پر گامزن ہورہے ہیں؟ حالات کا باریک بینی سے جائزہ لیں تو صاف ظاہر ہورہا ہے کہ بھارتی حکومت کی سخت گیر پالیسیاں ہماری نوجوان نسل کو مایوسیوں میں دھکیل رہی ہیں۔ اُنھیں اپنے سیاسی مستقبل کے حوالے سے جب چاروں طرف اندھیرا چھایا دکھائی دیتا ہے اور اُنھیں جب یہ احساس دلایا جاتا ہے کہ اُن کی بات سننے اور اُن کے حقوق کی بازیابی کے لیے کسی بھی طرح نئی دہلی تیار نہیں ہے، تو ایسے میں وہ خطرناک راہوں کے مسافر بن جانے پر آمادہ ہوجاتے ہیں۔

۲۰۰۸ء اور ۲۰۱۰ء کی عوامی تحریک کے دوران جلسے اور جلوسوں میں عوام از خود فوجی تنصیبات اور سرکاری املاک کی حفاظت کیا کرتے تھے۔ جب بھی کسی کیمپ یا پختہ فوجی مورچے [بینکر] کے قریب سے جلوس گزرتا تھا، تو احتجاج میں شامل رضاکار پہلے ہی کیمپ کے سمت کھڑے ہوکر جلوس کو پُرامن طریقے سے آگے بڑھا دیتے تھے۔ لیکن بعد کے برسوں میں جب پُرامن عوامی احتجاجوں پر سختیاں کی گئی، طاقت کا بے تحاشا استعمال کیا گیا، تو یہی نوجوان جو شہری ہلاکتوں کے باوجود ۲۰۰۸ء اور ۲۰۱۰ء کے عوامی احتجاج میں پُرامن رہا کرتے تھے، وہ ۲۰۱۶ء میں ظلم و زیادتیوں کے خلاف تشدد پر اُتر آئے۔ افسوس کا مقام یہ ہے کہ نئی دہلی میں بیٹھے بھارتی حکمرانوں کو یہ بات سمجھ نہیں آسکتی کہ کشمیر کی گلیوں میں طاقت کے ذریعے امن قائم کرنے کا خواب اس طرح کبھی سچ ثابت

نہیں ہوگا بلکہ اس طرزِعمل سے ہرآنے والا دن بد سے بدتر ہوتا جائے گا۔

۲۰۱۰ءاور ۲۰۱۶ءکی عوامی ایجی ٹیشن کے دوران آزادی پسند لیڈران کا مورال گرانے کے لیےجس چیز کوسب سے زیادہ سرکاری سطح پر پروپیگنڈا کے ذریعے ایشو بنایا گیا، وہ ابتر حالات کی وجہ سے یہاں نظامِ تعلیم پر پڑنے والے منفی اثرات تھے۔ ایجی ٹیشن کے نتیجے میں تعلیمی اداروں کے بند رہنے سے بچوں کا تعلیمی کیریئر برباد ہونے کی باتیں کی گئیں، حالانکہ ان برسوں میں ہڑتالی کال کے بجائے کرفیواور بندشوں کے باعث زیادہ تر دنوں میں تعلیمی ادارے بند رہے تھے۔اب ۲۰۱۸ء سے ایک اورطریقہ اختیار کیا جانے لگا ہے، کہ جوں ہی کہیں حالات خراب ہوجاتے ہیں، کسی جگہ بے گناہوں کا خون بہایا جاتا ہے،توحکومت فوراً تعلیمی اداروں اور انٹرنیٹ کو بند کرنے کا اعلان کرتی ہے۔گذشتہ برس وزیرتعلیم نے ایک مرتبہ بزرگ حریت لیڈرسیدعلی گیلانی سے بھی اپیل کی تھی کہ وہ اسکولوں میں تدریسی عمل جاری رکھنے کے لیے اپنا اثر ورسوخ استعمال کریں، حالانکہ تعلیمی اداروں کو بند کرنے کا حکم سرکار اور متعلقہ فورسز ایجنسیوں کا جاری کردہ ہوتا ہے۔گذشتہ برس کے دوران بھی حکومت کی خراب پالیسی ،ضداورہٹ دھرمی کی ہی وجہ سے سال کے اکثر دنوں میں کشمیر کے تعلیمی اداروں میں تدریسی عمل متاثر رہا۔ رواں سال میں بھی سرمائی تعطیلات کے بعد، جب سے تعلیمی ادارے کھل گئے ہیں، زیادہ تر دنوں میں سرکاری احکامات کے نتیجے میں تدریسی عمل ٹھپ رہا۔

۱۱/اپریل ۲۰۱۸ءکوشوپیاں سانحہ کے پس منظر میں کئی دنوں بعد تعلیمی اداروں کوکھول دیا گیا،لیکن جوں ہی کولگام میں بھارتی فوجیوں کے ہاتھوں ہلاکتوں کی خبریں موصول ہوئیں ،طلبہ کو زبردستی تعلیمی اداروں سے بھگا دیا گیا،حتیٰ کہ سرینگر کے زنانہ تعلیمی اداروں سے طالبات کو بھگانے کے لیے پولیس اُن کے پیچھے ایسے پڑگئی، جیسے وہ بچیاں انسان ہی نہیں۔جان بوجھ کراورسوچے سمجھے منصوبے کے تحت مقبوضہ کشمیر میں تعلیمی سال مسلسل ضائع کیے جارہے ہیں اوراس کشمیر دشمن پالیسی کے دور رس مضر اثرات بہرحال آنے والے وقت میں ظاہر ہوں گے۔سوچے سمجھے منصوبے کے تحت یہ اس لیے کیا جارہا ہے، تاکہ کشمیریوں کی نسلیں تعلیم سے محروم ہوجائیں۔ناخواندگی کے اس بڑھاوے کوجنگی ہتھیار کے طور پراستعمال کیا جارہا ہے۔عام شہریوں پرظلم وزیادتیاں نہ ہوتیں، نوجوانوں کی نسل کشی نہ ہوتی اورانسانی حقوق کی بڑے پیمانے پرخلاف ورزیاں نہ ہوتیں توطلبہ اور

طالبات سڑکوں پر نکل آنے پر مجبور نہ ہوتے۔ دنیا بھر میں ظلم و زیادتیوں پر طلبہ کے احتجاج کا چلن عام ہے۔ یہاں کے طلبہ و طالبات کے ساتھ ساتھ عوام کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ وہ زیادتیوں اور انسانی حقوق کی شدید پامالیوں پر پُرامن احتجاج کریں۔ اگر طلبہ کو اپنا احتجاج کرنے کا حق دیا جاتا تو وہ اپنی ناراضی کے اظہار کے بعد کلاسوں میں جاتے اور تدریسی عمل میں مصروف ہوجاتے۔ لیکن اُن کے جمع ہونے سے قبل ہی پولیس اور نیم فوجی دستے اُن پر ٹوٹ پڑتے ہیں، جس کے نتیجے میں طلبہ بھی مشتعل ہوجاتے ہیں اور اس طرح بہانہ بنا کر حکومت تعلیمی اداروں کو بند کر کے اہل کشمیر کی نئی نسل کے معاشی و معاشرتی مستقبل اور کیریئر کو تباہ کرنے کا گھناؤنا کھیل کھیل رہی ہے۔

صوبہ جموں (کٹھوعہ ضلع) میں ۱۰ جنوری ۲۰۱۸ء کو آٹھ سال کی ایک معصوم بچی آصفہ کے لاپتا ہونے اور پھر ایک ہفتے کے بعد اس کی لاش جنگل سے برآمد ہونے کی واردات نے پورے مقبوضہ جموں و کشمیر میں غم و غصے کی شدید لہر پیدا کی۔ عوامی دباؤ پر جب ریاستی پولیس کی خصوصی کرائم برانچ نے تحقیقات کے بعد کورٹ میں رپورٹ پیش کی تو اس سانحے کی رُوداد نے پوری انسانیت کو شرمسار کر دیا۔ جموں کے بی جے پی سے وابستہ فرقہ پرست لوگوں نے کٹھوعہ کے رسانہ علاقے سے گجر طبقے سے وابستہ مسلمانوں کو بھگانے کے لیے ایک سازش تیار کی۔ یہ سازش مندر کے نگران کی سربراہی میں ترتیب دی گئی۔ علاقے کے مسلمانوں میں خوف و ہراس پیدا کرنے کے لیے آٹھ سال کی معصوم آصفہ کو اغوا کیا گیا، اسے سات روز تک مندر میں قید رکھا گیا، اس دوران چار درندہ صفت ہندو فرقہ پرست اس معصوم مسلم لڑکی کی عزت تار تار کرتے رہے، اور ساتویں دن آصفہ کو قتل کر دیا گیا۔ قتل کرنے سے قبل سازش میں شامل ایک پولیس اہلکار اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے کہ: قتل سے قبل میں آخری بار اس کی عصمت تار تار کرنا چاہتا ہوں، اور وہ اپنا منہ کالا کر کے اس معصوم کلی کا گلا گھونٹ دیتا ہے۔ پھر دوسرا شخص یہ یقین کرنے کے لیے کہ آصفہ واقعی مرگئی ہے؟ اس کے سر پر پتھر کے پے در پے وار کرتا ہے۔ جب پولیس ان ملزمان کو گرفتار کرتی ہے تو اُنھیں رہائی دلانے کے لیے بی جے پی سے وابستہ دو لیڈران ایک ریلی نکالتے ہیں، جس میں کھلے عام جموں کے مسلمانوں کو دھمکی دی جاتی ہے کہ وہ ۱۹۴۷ء جیسے حالات کے لیے تیار رہیں۔ جموں اور کٹھوعہ بار ایسوسی ایشن سے وابستہ وکیل کرائم برانچ کو عدالت میں چالان پیش کرنے ہی نہیں دیتے ہیں۔

بار ایسوسی ایشن جموں تین روز تک کورٹ کا بائیکاٹ کرتی ہے اور جموں کا کاروبار زندگی بند کرنے کی کال دیتی ہے۔ یوں بی جے پی سے وابستہ برہمن عصمت دری جیسے گھناؤنے جرم میں ملوث اپنے کارکنوں کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں اور اس بات کا قوی امکان ہے کہ دیر سویر یہ درندے آزاد ہو کر پھر سے مسلم دشمنی سرگرمیوں کا حصہ بن جائیں گے۔

مقبوضہ جموں و کشمیر کے حالات ایسے ہیں کہ یہاں پہاڑ کے سامنے چیونٹی کھڑی ہے۔ کشمیری، ہندستانی طاقت، ظلم او رجبر کا نہتے ہو کر بھی مردانہ وار مقابلہ کرتے ہیں، البتہ بیرونی طاقتوں کی مداخلت کے بغیر مغرور بھارت کا کچھ ہونے والا نہیں۔ پاکستان، مسئلہ کشمیر کا ایک فریق ہے اور یہ بھی سچ ہے کہ پاکستانی عوام نے ہمیشہ کشمیریوں کا ساتھ دیا ہے، مگر ساتھ یہ بھی تلخ حقیقت ہے کہ کشمیریوں کی اس ۷۰ سالہ غلامی میں کئی مواقع ایسے آئے جب آزادی کی منزل بالکل قریب تھی لیکن پاکستانی حکمرانوں کی نااہلی اور بے عملی نے اُن سنہری موقعوں کو گنوا دیا۔ اس وقت بھی پاکستانی حکومت زبانی جمع خرچ کر رہی ہے۔ کشمیر کمیٹی کے سربراہ چند بیانات اور حکومت یوم یک جہتی کے اعلان سے آگے کچھ بھی نہیں کر پاتی ہے۔ کشمیریوں کی اخلاقی، سفارتی اور ابلاغی مدد کرنا اور اُن کی آزادی کو یقینی بنانا پاکستانی حکومت، عوام اور اداروں کی دینی اور قومی اور انسانی ذمہ داری ہے۔ اگر پاکستانی حکمران اس نازک ترین موقعے پر بھی کشمیر کے تئیں سرد مہری کا اظہار کریں گے، تو تاریخ اُنھیں کبھی معاف نہیں کرے گی۔ پاکستانی سبز ہلالی پرچم کی حفاظت کشمیری نوجوان کررہے ہیں۔ یہاں کے شہدا کا کفن پاکستانی پرچم بن رہا ہے۔ نظریہ پاکستان اور پاکستانی پرچم کی حفاظت کشمیری نونہال اپنا خون دے کر رہے ہیں اور اگر پھر بھی پاکستانی ریاست اپنی ذمہ داریاں خوش اسلوبی سے ادا نہیں کرے گی، تو اسے بدقسمتی سے ہی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ پاکستانی عوام اور وہاں کے اداروں کو کشمیر پالیسی کے حوالے سے سنجیدگی کے ساتھ غور و فکر کرنا چاہیے۔